خداشناسی عقل اور فطرت کی آواز

دوسری دلیل: وجود خدا کی بابت عقل عمومی کا فیصلہ

رئیس العلماء آیۃ اللہ سید کاظم نقوی، سابق ڈین آف تھیالوجی ڈپارٹمنٹ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

خدا کے وجود کی طرف فطرت بھی راہنمائی کرتی ہے اور عقل بھی۔ یقینا فطرت کو اگر طرح طرح کے مخصوص اسباب اس کے راستے سے روگرداں نہ بنادیں تو وہ وجود خدا کے متعلق انسان کے دل کو مطمئن بنادیتی ہے۔ فطرت اس عقیدے کے دل کی گہرائیوں تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ عقل کو دل سے نہیں دماغ سے سروکار ہے۔ وہ انسان کے دماغ کو خدا کے ماننے پر مجبور کرتی ہے۔ اس سلسلے میں عقل اور فطرت کے درمیان اس لحاظ سے بھی فرق ہے کہ فطری راہنمائی کا دائرہ ہر شخص کی ذات تک محدود ہے۔ مصائب و آلام کے بادل جب انسان کے سر پر گرجتے ہیں، ظاہری اسباب اور ذرائع کے راستے جب بند ہوجاتے ہیں، انسان جب اپنے گرد وپیش نگاہ ڈالتا تو اسے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے۔ ہر طرف سے اس کے سامنے مایوسی ہی مایوسی آتی ہے۔ نجات کی کوئی راہ اور امید کی کوئی کرن دور دور تک دکھائی نہیں دیتی۔ یکا یک اس کی فطرت اس کے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر کہتی ہے کہ اے انسان ناامید نہ ہو۔ اس عالم بے سروسامانی میں کوئی بااقتدار ذات ہے جو تجھے نجات دے سکتی ہے۔ ذات الٰہی کی جانب اس فطری کشش کو صرف اس شخص کا دل محسوس کرتا ہے جسے ناامیدیاں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہوں۔ وہ شخص اس پر قادر نہیں ہے کہ اپنی واردات قلبی کو دوسرے کے دل میں ڈال دے۔ قلبی کیفیات سے دوسرے کو آگاہ کیا جاسکتا ہے، لیکن انہیں دوسرے کے دل میں پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ وہ کیفیتیں وجود میں نہیں لائی جاسکتیں خود بخود مخصوص حالات میں وجود میں آتی ہیں۔

عقلی راہنمائی کی نوعیت اس فطری راہنمائی سے مختلف ہے۔ جس شخص کا دماغ کسی دلیل سے وجود خدا کا قائل ہوا ہے اس کا عقیدہ اس کی ذات تک محدود نہیں ہے۔ وہ اسی دلیل کے ذریعہ اس بارے میں دوسرے کے ذہن کو بھی مطمئن بنا سکتا ہے۔ وہ جس طرح خود وجود خدا کا معتقد ہے اسی طرح دوسروں کو بھی قائل کرسکتا ہے۔ مختلف قسم کے دلائل وجود خدا تک عقل انسانی کو پہنچاتے ہیں۔ ان میں بعض کا سرچشمہ ایسے علوم ہیں جن کا احساس اور تجربے سے تعلق ہے اور کچھ وہ ہیں جن کی بنیاد فلسفہ ہے۔

انسانی زندگی کی تاریخ بہت پرانی اور لمبی ہے۔ ہر شخص ایک مخصوص دماغی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہر ایک کے پاس معلومات کا ایک خاصہ ذخیرہ ہے۔ وہ اپنے فہم اور علم کے مطابق خدا کو پہچاننے کی کوشش کرتا ہے۔ علمی اور فلسفی ادلہ کی مدد سے اس کے متعلق طرح طرح کے فیصلے کرتا ہے۔

یہ تصور غلط ہے کہ خدا کے ہونے یا نہ ہونے کے متعلق فیصلہ کرنا دشوار ہے۔ وہ آسان اور بہت آسان ہے۔ یہ عالم کائنات درہم وبرہم اور غیر منظم نہیں ہے۔ اس کا نظام وجود خدا کی انتہائی مضبوط دلیل ہے، جو عمومی طور پر ہر ایک کو مطمئن بنانے کے لئے کافی ہے۔ درحقیقت موجودات عالم ایک ایسی کتاب

کے مانند ہیں جن کا ہر ہر صفحہ بلکہ ہر ہر سطر اس کے مرتب اور منظم ہونے کو بتاتی ہے۔قرآن مجید اور عظیم المرتبت راہنمایان اسلام نے صاحبان عقل کو بڑے پرزور انداز سے اس کتاب کے غور سے پڑھنے کی ہدایت کی ہے۔اتنا ہی نہیں انہوں نے موجودات کے حیرت انگیز نظم وترتیب کے نمونے بھی پیش کردیے ہیں تاکہ نکتہ رس اشخاص کتاب خلقت کو پڑھنے اور موجودات عالم کا مطالعہ کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔

ارشاد قرآنی ہے قُلِ انْظُرُوامَا ذَا فِی السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ ۔''اے رسول تم ہمارا یہ حکم لوگوں کو سنادو کہ ان کا فرض ہے کہ وہ غور کریں کہ آسمانی کروں اور خود کرۂ زمین میں کون کونسی چیزیں اور ان کے وجود میں کیسے کیسے اسرار ورموز پوشیدہ ہیں''۔ (یونس۔۱۰۱)

ان فی خلق السمٰوات والارض و اختلاف اللیل والنھار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللّٰہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتھا وبث فیھا من کل دابۃ وتصریف الریاح والسحاب المسخربین السماء والارض لایات لقوم یعقلون۔

'یقیناً زمین اور دوسرے آسمانی کروں کی پیدائش میں، دن اور رات کے یکے بعد دیگرے آنے جانے میں، ان کشتیوں کے دامن میں جو سمندروں کے اندر ایسی چیزیں لے کر چلتی ہیں جو لوگوں کے لئے فائدہ پہنچنے کا سبب ہیں۔ان ہلکی اور موسلا دھار بارشوں میں جو بلندیوں سے زمین پر ہوتی ہیں جن سے خدا مردہ زمینوں کو زندہ کرتا ہے اور اس کے آغوش میں ہر قسم کے چوپائے پھیلا دیے ہیں۔ان بادلوں میں جنہیں اللہ نے زمین اور آسمان کے درمیان اپنے اوامر کا فرمانبردار بنا رکھا ہے خدا کی قدرت، حکمت اور عظمت کی نشانیاں ہیں صاحبان عقل کے واسطے۔'' (سورہ بقرۃ آیت ۱۶۴)

عربی زبان میں ''رویت'' اور ''نظر'' کے معنی میں فرق ہے۔رویت کے معنی ہیں آنکھ سے دیکھنا لیکن نظر علمی نگاہ کو کہتے ہیں۔نظر یعنی غور وفکر کرنا۔

قرآن اور تعلیمات قرآنی کے علمبرداروں نے کائنات عالم کے متعلق لوگوں کو غور وخوض کرنے کی دعوت کیوں دی؟اس کا مقصد یہ تھا کہ ہر شخص میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ اپنی ذہانت کے مطابق ان موجودات میں جو نظم وترتیب کے چمکتے ہوئے نمونے موجود ہیں انہیں دیکھ سکے۔وہ اس حیرت انگیز نظم کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرے کہ وہ بغیر کسی صاحب عقل وشعور طاقت کے کیسے وجود میں آسکتا ہے؟یہ غیر ممکن ہے کہ اندھا، بہرا بے حس مادہ خود اپنے کو اس طرح منظم اور مرتب کرے۔

نیچرل سائنس کے گوناگوں شعبے ہیں۔اس کی ہر شاخ در حقیقت اس عالم خلقت کے کسی ایک گوشہ کے نظم وترتیب کو نمایاں کرتی ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان نے ان موجودات کے بہت سے سربمہر رازوں کا پتہ چلا لیا ہے۔اس کے مجہولات کوہ ہمالیہ کے مانند ہیں۔اس کی بہت سی اونچی اونچی چوٹیاں فتح کرلی ہیں۔اس کی قابل تعجب علمی کامیابیوں کی تعداد کم نہیں ہے۔اس نے اس عالم کے حیرت انگیز اور بال سے زیادہ باریک نظم وترتیب معلوم کرنے کے لیے غیر معمولی انتھک کوششیں کی ہیں، لیکن اس کے باوجود انسان کا علم اس کی جہالت کے مقابلہ میں کم اور بہت کم ہے۔

یہ علوم طبیعیہ صاف صاف ہمیں دو باتیں بتاتے ہیں ایک یہ کہ اس کائنات کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا ذرہ یہاں تک کہ وہ جسے سائنس دانوں کی زبان میں ایٹم کہا جاتا ہے انتہائی مرتب اور منظم ہے۔ہر چیز ایسے اصول وقوانین کی پابند ہے جن میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔دوسرے یہ کہ عالم خلقت کا یہ عجیب وغریب نظم وضبط پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ وہ کسی صاحب عقل و شعور ہستی کی کرشمہ سازی ہے۔وہ خود بخود میں نہیں آگیا ہے۔

اس دلیل کی عمارت مندرجۂ ذیل ستونوں پر قائم ہے:۔

(۱) کوئی چیز ازخود پیدا نہیں ہوسکتی

ہر وہ چیز جو عدم سے وجود میں آئے، پہلے معدوم اور پھر موجود ہو، اس کی کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے۔ علیت اور معلولیت کا اصول عمومی اور ہمہ گیر ہے۔ غالباً یہ اصول بدیہی ہے۔ ہر شخص بغیر غور وفکر کئے اس کی تصدیق کے لئے تیار ہے کسی نے یہ نہیں دیکھا کہ جو چیز کسی وقت میں نہ ہو وہ بعد میں خود بخود بغیر کسی علت اور سبب کے وجود میں آجائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بچے گویا سوال اور پوچھ گچھ کا پتلا ہیں۔ وہ کسی آواز کو سن کر فوراً اپنے ماں باپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کس کی ہے اور کہاں سے آرہی ہے؟ جب کوئی درخت ان کی آنکھوں کے سامنے گر جاتا، کوئی مکان ڈھا جاتا ہے تو وہ فوراً دریافت کرتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے دماغ میں یہ بات پیوست ہے کہ کوئی چیز جو پہلے نہ ہو وہ بعد میں بغیر کسی علت اور سبب کے موجود نہیں ہوتی ہے۔

(۲) کسی شئ پر سرسری نظر نہ کیجئے

انسانی عقل کے ناقص اور کمزور ہونے کے باوجود اس عالم کائنات کی اکثر وبیشتر چیزوں کو انتہائی منظم اور مرتب پایا ہے علمی مرکزوں، تجربہ گاہوں، رصد خانوں میں جو کوششیں ہو رہی ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ انسان اس نظام کا پتہ چلائے جس کے تمام موجودات پابند ہیں۔ ان اسرار ورموز کو معلوم کرے جو ان کے وجود میں موجود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عالم خلقت کے راز ایک ناپیدا کنار دریا کے مانند ہیں۔ انسان اپنی حیرت انگیز ریسرچ کے ذریعہ اس میں پیر کر صرف چند گز طے کرسکا ہے۔ اسے ابھی علوم طبیعیہ کی فقط الف۔ ب معلوم ہوئی ہے۔ علم و دانش کے میدان میں انسان جتنا جتنا آگے بڑھ رہا ہے اس عالم خلقت کے متعلق اس کی حیرانی میں برابر زیادتی ہو رہی ہے۔ اسے اپنی جہالت اور ناواقفیت کا زیادہ سے زیادہ اندازہ ہو رہا ہے۔ بلا شبہ اس کے مطالعہ کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا ہے۔ آج چھوٹے سے چھوٹے ذرے سے لے کر کہکشاں تک، ایک حقیر جرثومہ سے لے کر انسان تک اس کی نظر میں ہے، لیکن اس کے باوجود اسے اقرار ہے کہ وہ بہت سی باتیں نہیں جانتا۔ سائنس داں کبھی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مفروضات کو واقعیت اور حقیقت کا جامہ پہنائیں، لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جو جو وہ حقائق سے نزدیک ہوتے ہیں حقیقتیں ان سے دور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ سائنس دانوں کے ایسے اقوال کثرت سے موجود ہیں جن میں اپنے معلومات کے انتہائی محدود ہونے کا اعتراف کیا گیا ہے۔ گویا علم ایک لمبی سیڑھی کے مثل ہے جس کی صرف چند سیڑھیاں انسان نے طے کی ہیں۔

انسانی معلومات انتہائی کم اور ناقص ہونے کے باوجود ان کا کروڑواں حصہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ موجودات عالم کا یہ پیچیدہ نظم وضبط خود بخود کسی صاحب عقل وعلم طاقت کے پیدا کئے (بغیر) وجود میں نہیں آسکتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ دلیل اسی وقت مکمل ہوگی جب اس عالم کائنات کے حیرت انگیز نظم وترتیب کے کچھ نمونے بھی پیش کردیے جائیں۔

درحقیقت معرفت خدا کی کنجی یہ ہے کہ کوئی چیز ہمارے نزدیک خواہ کتنی ہی معمولی ہو اسے ہم سرسری طور سے نہ دیکھیں کیونکہ یہی موجودات اور معمولی واقعات ہیں جو بڑے بڑے عظیم علوم وفنون کا سرچشمہ قرار پائے ہیں۔ عام طور سے بلند پایہ مفکرین کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کسی چیز کو سرسری طور سے نہیں دیکھتے ہیں۔ انہوں نے انتہائی حقیر اور معمولی واقعات سے بڑے بڑے اہم نتائج نکالے ہیں۔

نیوٹن نے درخت سے ایک سیب کے گرنے سے ہمہ گیر قانون جذب وکشش کا انکشاف کیا۔ یونانی مفکر ارشمیدس نے محسوس کیا کہ ان کا جسم پانی میں پہنچ کر ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔ اس کے ذریعہ تعادل مائعات کا اصول انہوں نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ گیلیلیو (Galileo) نے ایک مذہبی تقریب میں دیکھا کہ ایک جھاڑ ان کے سر پر ہل رہا ہے۔ اسی کو دیکھ کر انہوں نے سقوط

اجسام کا اصول ایجاد کیا۔ بہت سے لوگوں کے سامنے درختوں سے پھل گرتے ہیں۔انہیں پانی میں اپنا جسم ہلکا محسوس ہوتا ہے۔ چھت میں لٹکے ہوئے جھاڑوں کو وہ ہوا چلنے کی وجہ سے حرکت میں دیکھتے ہیں،لیکن ان واقعات سے وہ ان نتائج تک نہیں پہنچتے جن نتائج تک نیوٹن اور ارشمیدس اور گیلیلیو پہنچے۔اسی لئے قرآن مجید ان لوگوں کو خدا کا حقیقی بندہ سمجھتا اور کہتا ہے کہ جو اس عالم خلقت کے متعلق غور وخوض کریں اور اسے سرسری طور سے نہ دیکھیں۔

''اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰاتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَ النَّھَارِ لَاٰیَاتٍ لِاُوْلِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَاماً وَّ قُعُوْداً وَّ عَلیٰ جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰاتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلاً سُبْحَانَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ''۔

(آل عمران،۱۹۰۔۱۹۱)

(۳)نظم وترتیب یعنی چہ؟

موجودات عالم کا منظم اور مرتب ہونا اگر چہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو ڈھکی چھپی ہو۔مندرجۂ ذیل امور کی طرف توجہ کے بعد کائنات کا منظم اور مرتب ہونا بہت نمایاں طور سے سامنے آجاتا ہے۔

(۱) ہر جاندار کے وجود میں آنے اور باقی رہنے کے لئے کچھ خاص شرطوں کا ہونا ضروری ہے مثلاً ایک سبز و شاداب درخت کے اگنے اور اس کے پھل دار ہونے کے لئے لازم ہے کہ بیج کسی ایسے مقام پر بویا جائے جہاں کی زمین ہوا اور گرمی کا درجہ اس کے مناسب ہو۔بغیر اس کے نہ وہ ہمہ وقت صحیح طور سے خوراک حاصل کرسکتا ہے اور نہ سانس لے سکتا ہے۔اگر مخصوص حالات اور شرائط نہ موجود ہوں تو وہ دانہ ہرگز روئیدہ نہیں ہوگا۔ بیج نیست و نابود ہوجائے گا اور اس میں اکھوا نہیں پھوٹے گا۔کسی درخت کی زندگی کچھ خاص اصولوں کے سایہ میں ہوا کرتی ہے جن کے دائرے میں اس کی جڑ سے لے کر تنے تک شاخوں سے لے کر پتیوں اور پھولوں تک سب چیزیں داخل ہوتی ہیں۔ ہر طرح کے حالات اور شرائط میں کسی بیج کا درخت کی صورت اختیار کرنا ممکن نہیں ہے۔

(۲) ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ ہر چیز کا ایک اثر اور اس کی ایک خاصیت ہے جسے اگر اس سے الگ کرلیا جائے تو وہ نیست و نابود ہوجائے گی۔آگ کا کام جلانا اور زہر کا کام مار ڈالنا ہے۔ اگر آگ نہ جلائے اور زہر اپنا اثر نہ دکھائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آگ آگ اور زہر زہر نہیں رہ گیا ہے۔

(۳) جانداروں میں سے ہر ایک جس راستہ پر چلتا ہے اس کے جسم پر تمام اعضاء اس کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ نمونے کے طور پر انسان کے بدن کو لیجئے۔حضرت علی علیہ السلام کے بقول وہ خود ایک عظیم الشان عالم ہے۔ یہ انسان جب کسی کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے جسم کے اعضاء دانستہ یا نادانستہ طور سے اس کے ساتھ ہم آہنگی کرتے نظر آتے ہیں۔اگر اس جسم میں معمولی سی خراش لگ جاتی ہے تو فوراً خون کے سفید جرثومے ایک منظم، وفادار چوکنی فوج کی طرح دشمن کے مقابلہ کی غرض سے اسی جگہ اکٹھا ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔

(۴) اس عالم کائنات پر نگاہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ کسی ایک جاندار کے اجزاء کے درمیان تعاون اور باہمی امداد کارفرما ہو، بلکہ یہ ہم آہنگی پورے کرۂ زمین کے موجودات، بلکہ اس سے بڑھ کر مختلف آسمانی کروں کے درمیان پائی جاتی ہے۔سورج چمکتا ہے، پانی بخارات کی شکل اختیار کرتا ہے، ہوا بادلوں کو ادھر ادھر حرکت دیتی ہے،کہیں بارشیں ہوتی ہیں۔کہیں کہیں روئی کے گالوں کی طرح برف گرتی ہے تب جاکے کہیں درختوں اور پودوں میں زندگی کی لہر دوڑتی ہے۔

مندرجۂ بالا چار باتیں ذہن نشین ہوجانے کے بعد یقیناً یہ سمجھ میں آجانا چاہیے کہ کسی چیز کے منظم اور مرتب ہونے سے

کیا مراد ہے؟

(۴) ارادی اور غیر ارادی

ہمیں دو طرح کے افعال اپنی آنکھوں سے نظر آتے ہیں جنہیں دیکھتے ہی بغیر غور کئے فوراً ہم فیصلہ کردیتے ہیں کہ ان میں سے کون ارادے، اختیار اور عقل و شعور کا نتیجہ ہے؟ کون غیر ارادی، غیر اختیاری اور عقل و شعور کی پیداوار نہیں ہے؟ اس فیصلہ میں کسی سلیم الطبع اور عقلمند آدمی کو دشواری محسوس نہیں ہوتی ہے۔

دونوں قسم کے کاموں کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

آپ ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ آپ نے دیکھا کہ دو آدمی دو کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ ان کے سامنے دو میزیں اور ان پر ٹائپ کی دو مشینیں رکھی ہیں۔ دونوں چاہتے ہیں کہ اردو زبان کے سرمایۂ ناز شاعر غالب کی اس مشہور و معروف غزل کو ٹائپ کریں جس کا پہلا شعر یہ ہے:۔

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ان دونوں میں سے ایک پڑھا لکھا اور آنکھوں والا، اس کے برخلاف دوسرا ان پڑھ اور اندھا ہے۔ پہلا تعلیم یافتہ شخص جس کی آنکھیں صحیح و سالم ہیں کام شروع کرتا ہے۔ وہ سب سے پہلے ''یہ'' پھر ''نہ'' پھر ''تھی'' ٹائپ کرتا ہے جس سے مجموعاً ''یہ نہ تھی'' کا جملہ بنتا ہے۔ تھوڑی دیر میں وہ پوری غزل بالکل صحیح طور سے ٹائپ کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے۔

اس کے بعد جاہل اور نابینا شخص اپنی مشین چالو کرتا ہے چونکہ وہ حروف نہیں پہچانتا اور نہیں دیکھ سکتا ہے لہٰذا بہت سے صفحے یا بہت سی سطریں سیاہ کرنے کے بعد کاغذ پر کچھ مہمل، بے معنی، بے ربط فقرے آپ کو دکھائی دیں گے۔ یہ دونوں طرح کے صفحے جس عقلمند آدمی کے سامنے رکھ کر دریافت کیجئے وہ فوراً فیصلہ کر دے گا کہ پہلا کاغذ ایک پڑھے لکھے، سمجھ دار آدمی کا ٹائپ کیا ہوا ہے اور دوسرے کاغذ کا ٹائپ کرنے والا ان پڑھ بیوقوف ہے۔ اگر ہزاروں جاہل اور نابینا لاکھوں کاغذ سیاہ کر کے چاہیں کہ غالب کی غزل کا صرف ایک نسخہ بالکل صحیح صحیح ٹائپ کرلیں تو ہرگز ہرگز ایسا نہ کرسکیں گے، کیونکہ ان کے پاس علم و بصیرت نہیں ہے۔ جہاں کہیں کسی عقلمند آدمی کے سامنے وہ پہلا کاغذ آئے جس پر غالب کی غزل صحیح طور سے ٹائپ ہے وہ اسے دیکھ کر بغیر سوچ بچار کئے کہہ دے گا کہ اسے کسی پڑھے لکھے آدمی نے پورے عقل و شعور اور ارادہ و اختیار کے ساتھ ٹائپ کیا ہے، وہ ہرگز اس کے بارے میں یہ تصور نہیں کرے گا کہ کسی جاہل، اندھے شخص کے بغیر سوچے سمجھے ٹائپ کی مشین کے ٹکموں پر انگلیاں مارنے سے یہ غزل اس کاغذ پر ٹائپ ہوگئی ہے۔ وہ یہ بھی تصور نہیں کرسکتا کہ کسی ناسمجھ کمسن بچہ کو یہ مشین کمرے میں اکیلی مل گئی، اس نے اس سے کھیلنا شروع کردیا جس کے نتیجہ میں یہ غزل اس کاغذ پر ہمارے سامنے آگئی ہے کوئی زبردست آرٹسٹ ایک انتہائی نفیس اور خوبصورت سینری تیار کرتا ہے۔ اس میں یہ منظر دکھاتا ہے کہ کچھ لوگوں کی مستقل بود و باش سمندر کے قرب و جوار میں ہے۔ ان کے خاص طرح کے خوشنما مکانات نظر آرہے ہیں کچھ لوگ سمندر میں پیر رہے ہیں اور کچھ اس کے کنارے بالو میں لوٹ رہے اور خوش فعلیاں کررہے ہیں۔ سمندر کے دل میں جوجا بجا سبز و شاداب جزیرے بنے ہوئے ہیں وہ بھی آنکھوں کو اپنی طرف جذب کررہے ہیں۔ سمندر کے ساحل بعض کھیتوں اور باغوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

جو بھی اس سینری کو دیکھے گا اس کے بنانے والے کی تعریف کرے گا۔ یقیناً یہ آرٹسٹ کا کمال ہے کہ سینری میں جو چیزیں نظر آرہی ہیں سب اپنی فطری اور قدرتی شکل و صورت میں ہیں۔ یہ سینری جس طرح یہ بتاتی ہے کہ وہ خود بخود وجود میں نہیں آئی ہے۔ کسی نے اسے بنایا ہے۔ اسی طرح یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس کا بنانے والا اناڑی نہیں آرٹسٹ اور بہت اچھا خوش

ذوق، سلیقہ مند آرٹسٹ ہے۔ کیا کوئی شخص اس سینری کے متعلق یہ سوچ سکتا ہے کہ اسے کسی کمسن ناسمجھ بچہ نے یا کسی ایسے شخص نے بغیر سوچے سمجھے بنا ڈالا ہے جو بغیر کسی مقصد کے یونہی قلم کو کاغذ پر حرکت دے رہا تھا۔ اتفاقاً یہ خوشنما سینری بن گئی، وہ سینری نہیں بنانا چاہتا تھا۔

حکومت کی طرف سے ایک مجسمہ ساز کو آرڈر دیا جاتا ہے کہ وہ کسی فوجی یا علمی یا ادبی یا سیاسی یا سماجی شخصیت کا مجسمہ تیار کرے۔ وہ اس کام کے انجام دینے کے لئے بڑی سختیاں جھیلتا ہے۔ وہ گھنٹوں سوچ بچار کرتا، بڑی محنت، جانفشانی اور مجسمہ سازی کے مخصوص اوزار استعمال کر کے حکومت کے آرڈر کی تعمیل کرتے ہوئے ایک مجسمہ تیار کرتا ہے۔

اس کے متعلق کیا کوئی شخص باور کر سکتا ہے کہ وہ مجسمہ ساز کے ہاتھوں کی بے مقصد اور غیر منظم حرکتوں سے اتفاقی طور پر وجود میں آگیا ہے؟ ہر شخص یہی کہے گا کہ کوئی باذوق، ہوشیار، ماہر مجسمہ ساز ہے جس نے پورے ارادے اور اختیار سے پہلے خاکہ بنانے کے بعد یہ مجسمہ تیار کیا ہے۔ یہ اسی کی جانفشانیوں کا نتیجہ ہے کہ ایک پتھر کے ٹکڑے نے ایک انسانی شکل وصورت اختیار کر لی ہے۔ ایک مرتبہ نہیں ہزاروں دفعہ اگر اس پتھر کے ٹکڑے کو پہاڑ کی چوٹی سے کسی گہرے غار میں پھینکا جائے تو ہرگز اس کی دیواروں سے ٹکرانے کی بناء پر کسی آدمی کا مجسمہ چہ جائیکہ کسی معین جانے پہچانے شخص کا مجسمہ نہیں بن سکتا۔ اسی طرح اگر پتھر کے اس ٹکڑے کو کسی ایسے کارخانے میں اس طاقتور ہتھوڑے کے نیچے رکھ دیا جائے جو بجلی کے زور سے کام کرتا ہو یا کسی ایسے اندھے کے ہاتھ میں دے دیا جائے جو مجسمہ سازی کے فن سے بالکل ناواقف ہو تو ہرگز اس ہتھوڑے یا اس شخص کی چوٹوں کے نتیجہ میں کوئی مجسمہ نہیں بن سکتا۔ ہاں بس ایسا ہوگا کہ اس ایک پتھر کے بہت سے ٹیڑھے بیڑھے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

سڑکوں پر جو کاریں دوڑتی نظر آتی ہیں یقیناً کسی انتہائی ذہین شخص کے دماغ میں پہلے پہل ان کا تصور پیدا ہوا تھا۔ پھر بعد کے ماہرین کی مسلسل انتھک کوششوں اور ذہنی کاوشوں نے انہیں موجودہ ترقی یافتہ شکل میں تبدیل کیا ہے۔ کیا اندھے، بہرے، بے عقل کوئی بزرگ کار تیار کر سکتے ہیں؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ یونہی اگر فولاد، لوہے کی چادر، شیشے اور ربر کے ٹکڑے کسی صندوق میں سیکڑوں برس رکھے رہیں کہ ان سے خود بخود ایک حسین اور دیدہ زیب کار بن جائے تو کبھی یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

کوئی کتاب مکمل صورت سے چھپ کر ہمارے سامنے کیوں کر آتی ہے؟ سب سے پہلے کوئی عقل وعلم رکھنے والا شخص اس کے مطالب کو اپنے دماغ میں مرتب اور منظم کرتا، پھر انہی کو اپنے قلم کے ذریعہ الفاظ کے قالب میں ڈھال کر کاغذ پر منتقل کرتا ہے۔ پھر کوئی خوشنویس مخصوص روشنائی سے کاغذ پر ان کی کتابت کرتا، اس کے بعد مصنف اسے دیکھ کر اس کی تصحیح کرتا اور چھاپہ خانہ اس کا پروف تیار کرتا ہے۔ طباعت کا مرحلہ جب طے ہو جاتا تو فرموں کی جز بندی کی جاتی اس کی جلد سازی اور کتاب منظر عام پر آتی ہے، کیا یہ کہنا بلکہ سمجھنا معقول ہے کہ یہ تمام مراحل خود بخود طے ہو گئے اور کتاب وجود میں آگئی یا اس کی تیاری میں کسی صاحب عقل وشعور کا ہاتھ نہیں ہے؟

آیا کوئی عقلمند یہ دعویٰ کرنے کی ہمت کر سکتا ہے کہ یہ مصنوعی چاند جو مدار زمین اور وسیع تر فضاؤں میں چکر لگاتے رہتے ہیں کچھ اتفاقات کے نتیجہ میں خود بخود موجود ہو گئے ہیں؟ خاص قسم کی دھاتوں کے ذرے خود بخود اکٹھا ہوئے اور ان سے ایک گولہ تیار ہو گیا جو ٹھوس نہیں بلکہ کھوکھلا تھا۔ اسی طرح ایک مکمل راکٹ بھی خود بخود بن گیا۔ بقدر ضرورت پٹرول اپنے گودام سے نکل کر خود بخود ٹنکی میں بھر گیا۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ بغیر کسی شخص کے کچھ کئے مصنوعی چاند فضاؤں میں ہمیں گردش کرتا نظر آتا ہے۔

ادھر ادھر کے نمونے چھوڑیئے۔ آیئے اس کمرے کا ایک نظر میں جائزہ لیں جس میں ہم رہتے ہیں۔ اس میں ہمیں

ضرورت کی تمام چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ کتابوں کی الماری قرینے سے کمرے کے ایک کونے میں رکھی ہے۔ میز، کرسی، پنکھا یا ہیٹر موجود ہے۔ کسی میں ہمت ہے کہ اس ساز و سامان کو اتفاقات کا نتیجہ قرار دے؟ جس کے پاس تھوڑی سی بھی عقل ہے وہ یہی کہے گا کہ کسی صاحب عقل وشعور ہستی نے اپنے ارادے اور اختیار سے یہ تمام سامان بنایا اور قرینے سے اس کمرے میں سجایا ہے۔

یہ تحقیق، ریسرچ اور کھوج کا زمانہ ہے۔ آثار قدیمہ کے ماہرین کا مشغلہ ہے زمین کی کھدائیاں کرنا، اونچے اونچے ٹیلوں کے دلوں میں اتر کر ان کی تہوں کا جائزہ لینا۔ ان کھدائیوں کے بعد زمین کے سینے میں جہاں انھیں ٹیڑھے بھیڑے پتھر سامنے ملتے ہیں وہاں زنگ خوردہ گھسے ہوئے ہتھیار اور طرح طرح کے برتن بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ٹوٹی ہوئی دیواریں، ان پر مٹے مٹے نقش و نگار، موٹے موٹے ستون، مخصوص طرز کی محرابیں اور نہ جانے کیا کیا چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ وہ غیر معمولی شوق اور انتہائی باریک بینی سے ان کے معاینہ میں لگ جاتے ہیں۔ ان آثار کی پیشانی پر انہیں گذشتہ قوموں کا تمدن چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔

جب علماء افلاک عظیم الشان دوربینوں کے ذریعہ کرۂ مریخ کے مناظر اور اس کی سطح پر سفید سفید لہراتی ہوئی لکیریں دیکھتے تو کہتے ہیں کہ ہمارا خیال ہے کہ اس کرے میں کوئی مہذب اور متمدن قوم رہتی ہے جو ہماری طرح کھیتی باڑی کرتی ہے۔ اس نے اپنی کھیتیاں سینچنے کے لئے یہ باقاعدہ نہریں بنائی ہیں۔

ان مثالوں کی روشنی میں ایک عمومی اور ہمہ گیر اصول بنانا پڑتا ہے وہ یہ کہ جب کسی چیز کی شکل وصورت اور ساخت سے پتہ چلے کہ اس کے وجود کا کوئی مقصد ہے۔ اس کے مطابق اس میں نظم و ترتیب ہے تو اسے بلا شبہ کسی ایسے شخص کی کارگزاری ماننا پڑے گا جو سوچ سمجھ کر۔ ارادے اور اختیار کے ساتھ اسے وجود میں لایا ہے۔ اس کے برخلاف ہر وہ چیز جس کے وجود کا کوئی مقصد نظر نہ آئے، اس کے مطابق اس میں نظم و ترتیب دکھائی نہ دے، اس کے بجائے اس میں بدنظمی اور بے ربطی ہو تو وہ اتفاقات کا نتیجہ یعنی اس کا کوئی ایسا سبب قرار دیا جائے گا جو عقل و شعور کی صفت سے محروم ہو۔

عقل اور نظم کا رابطہ

نظم و ترتیب، کسی مقصد اور غرض کے ماتحت کسی شی کا ہونا یہ کیوں بتاتا ہے کہ اسے کسی عقل و شعور اور ارادے کی مالک طاقت نے بنایا ہے؟

اس سوال کا جواب واضح ہے۔ بے شک ایسا ہی ہے کہ جہاں بھی کسی چیز کے وجود میں نظم و ترتیب مقصد اور غرض دکھائی دیتا انسان فوراً بلا غور کیے فیصلہ کر دیتا ہے کہ اس کا موجد علم و شعور، ارادے اور اختیار والا ہے۔ یہ اس کی فطرت کا فیصلہ ہے جس کے لئے کسی استدلال کی ضرورت نہیں ہے۔ دلیل سے بے نیازی کے باوجود اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ اسے بے استدلال چھوڑ دیا جائے۔ براہ مہربانی مندرجۂ ذیل نکات کی طرف توجہ فرمائیے:۔

الف۔ صاف سی سیدھی سادھی بات ہے کہ جس طرح کسی چیز کا نہ ہونے کے بعد ہونا بتاتا ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہے اسی طرح اس کے صفات اور خصوصیات مؤثر کے اوصاف اور خصوصیات کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ انسان کی بے آلائش فطرت کا اٹل فیصلہ ہے کہ کوئی چیز خود بخود بغیر کسی علت کے عدم سے وجود میں نہیں آتی ہے۔ جب ہمیں کوئی موٹر کسی چوڑی چکلی سڑک پر دوڑتی نظر آتی تو وہ خود بزبان حال کہتی ہے کہ مجھے کسی نے بنایا ہے، میں خود بخود وجود میں نہیں آ گئی ہوں۔ یونہی اس موٹر کے خصوصیات بھی اس بات کی پرزور گواہی دیتے ہیں کہ اس کا موجد ان تمام فنون سے واقف ہے جن کا تعلق موٹر بنانے کی صنعت سے ہے۔

میر انیس کا مرثیہ سامنے آنے کے بعد جس طرح کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ادبی شاہکار اتفاقاً خود بخود وجود میں آ گیا ہے، بلکہ

ہر عقل مند آدمی اقرار کرتا ہے کہ وہ کسی شاعر کا کلام ہے۔ اسی طرح اس کے خصوصیات مثلاً گھوڑے اور تلوار کی تعریف یہ بتاتی ہے کہ میر انیس شہسواری اور سپہ گری کے فن سے خوب واقف تھے۔ ان کے مرثیوں کے بیشتر حصے گواہی دیتے ہیں کہ وہ انسانی نفسیات سے مکمل طور پر باخبر تھے۔ ہرگز کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ ادبی شاہکار ایسے آدمی کے افکار کا نتیجہ ہے جسے اردو زبان کے خصوصیات کا بالکل پتہ نہ تھا، جسے واقعہ نگاری کے اصول رتی بھر معلوم نہ تھے۔ یہ مرثیے اتفاقاً ان کے زبان و قلم سے نکل گئے ہیں۔

ہماری آنکھوں کے سامنے ایک عظیم الشان ہوٹل کی عمارت ہے۔ اس میں فن تعمیر کے لحاظ سے کوئی عیب دکھائی نہیں دیتا۔ اس کے کمروں کی ساخت بتا رہی ہے کہ اس کو مختلف قسم کے مسافروں کے قیام کے لئے بنایا گیا ہے۔ بعض چھوٹے ایک مسافر کے واسطے، بعض دو آدمیوں کے واسطے، بعض بڑے عمومی اور کچھ حصے خصوصی ایسے لوگوں کے قیام کی غرض سے بنائے گئے ہیں جو اپنی فیملی کے ساتھ علیحدہ رہنا چاہیں۔ ہر کمرے میں چھوٹی سی میز رکھی ہے جس پر ضرورت کا سامان موجود ہے۔ ہاتھ منہ دھونے کے لئے بھی انتظام کر دیا گیا ہے۔ ہر کمرے میں روشنی اور ہوا پہنچنے کا بندوبست ہے۔ دروازے اس طرح کے بنائے گئے ہیں جنھیں مسافر اگر چاہے تو کھلا رکھے اور چاہے تو ان میں قفل لگا دے۔

اس ہوٹل کو دیکھ کر انسان جس طرح یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اسے کسی نے تعمیر کیا ہے۔ اسی طرح یہ بھی فیصلہ کرتا ہے کہ اس کا بنانے والا سمجھ دار اور ہوشیار آدمی تھا۔ اسے بڑے سلیقہ اور قرینے سے بنایا ہے۔ کوئی بے وقوف سے بے وقوف شخص بھی نہیں سمجھے گا کہ کچھ لوگوں نے دلچسپی اور وقت گزاری کے طور سے فن تعمیر اور مسافروں کے ضروریات سے ناواقف ہو کر گموں پر گمے چن کر یہ عمارت کھڑی کر دی ہے یا اتفاقاً یہ دس منزلہ ہوٹل وجود میں آ گیا ہے۔

یقیناً ہر انشا پرداز کا مضمون، ہر خطیب کی تقریر بلکہ ہر انسان کا فعل اس کے معلومات کا درجہ اس کے اوصاف، اس کے نفسیات، اس کی صلاحیتیں بتاتا ہے۔ کسی چیز کا حکیمانہ نظم و ترتیب انتہائی صریح اور واضح گواہی دیتا ہے کہ اس کا وجود میں لانے والا عقل و شعور، ارادے اور اختیار، طاقت اور اقتدار کا مالک ہے۔

ب۔ یہ بات ہر سمجھ دار آدمی جانتا ہے کہ انتخاب کرنا عقل و تدبر کی نشانی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی باقاعدہ عمارت کے بنانے کے لیے ہر قسم کے مصالحہ سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ اس کے واسطے خاص طرح کا ساز و سامان درکار ہے۔ مثلاً ایک شاندار کوٹھی کی تعمیر کے لئے لوہے، گمے، سمینٹ، بالو اور لکڑی کی ضرورت ہے۔ کھال، اون، کاغذ، دفتی، کھانے پینے کی چیزوں سے کام نہیں چل سکتا۔ یہ بھی یقینی ہے کہ عمارتی سامان کی ہر مقدار مفید نہیں ہے۔ ہر چیز کی مخصوص اور معین مقدار ہونا چاہیے۔ اگر پانچ حصے سمینٹ اور ایک حصہ بالو ملا کر یا خالص سمینٹ کا مصالحہ تیار کیا جائے تو غالباً وہ کارآمد نہ ہوگا۔ یونہی لوہے کو سریوں کی صورت میں اور لکڑی کو دروازوں، کھڑکیوں کی شکل میں ہونا چاہیے۔ گمے بھی خاص طرح رکھے جائیں گے تب جاکے عمارت تیار ہوگی۔ اگر ہزاروں ٹن لوہا کیلوں کی شکل میں لکڑی لٹھوں کی صورت میں اور گموں کو ہر جگہ کھمبوں کی شکل و صورت میں قرار دے دیا جائے تو نہ سلیپ لگ سکیں، نہ دیواریں کھڑی ہو سکیں گی، نہ کہیں ڈانٹیں بن سکیں گی، نہ دروازے اور کھڑکیاں وجود میں آئیں گی۔ لاکھوں روپیہ لگ جانے کے بعد بھی عالیشان کوٹھی کا کیا ذکر معمولی سا جھونپڑا بھی نہ بن سکے گا جس میں انسان اپنا سر چھپائے۔

کسی عمارت کے دیکھنے کے بعد یہی خاص طرح کا سامان اس کی مخصوص مقدار، اس کی معینہ کیفیت اور شکل و صورت وہ ہے جس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس کے بنانے میں کسی صاحب عقل و شعور کاریگر اور انجینیر کا ہاتھ ہے۔ دنیا میں ہر طرح کا ساز و سامان موجود ہے۔ وہ سب کو چھوڑ کر عمارتی سامان مہیا کرتا ہے۔ پورا گودام نہیں ڈھولاتا، بقدر ضرورت رفتہ رفتہ لاتا ہے۔ پھر اسے ایسی صورت میں تبدیل اور مرتب کرتا ہے جس کے نتیجہ میں ایک ایسی عمارت وجود میں آئے جو ہر موسم میں رہنے کے قابل

ہو۔جس سے ہمارے تمام ضروریات پورے ہوں۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر ان چاروں مرحلوں میں سے کسی ایک مقام پر بھی عقل وشعور، فنی واقفیت اور کارگزاری کا دخل نہ ہو، بلکہ ہم ایسے اتفاقات کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں، جو ہمارے مقصد سے سازگار ہوں یا اپنا کام اناڑی لوگوں سے لینا چاہیں تو کبھی بھی ہماری آرزو پوری نہیں ہوگی۔تمام سامانوں کو چھوڑ کر عمارتی سامان کا انتخاب، اس کی مخصوص کیفیت خاص طرح سے اسے مرتب اور منظم کرنا، ان میں سے ہر قدم عقل و تدبیر، ارادہ و اختیار اور فنی مہارت کے سایہ میں اٹھنا چاہیے۔

یہ وہ خصوصیات ہیں جنھیں دیکھ کر بغیر کسی غور وخوض کے فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ ہر منظم ومرتب چیز جس کی شکل وصورت بتائے کہ اس کے وجود کا کوئی خاص مقصد ہے ایسے سبب کی کار گزاری کا نتیجہ ہوگی جس کے پاس عقل وشعور، علم وارادہ سب کچھ ہے۔

ج۔فرانس کے مشہور ومعروف دانشور بلیز پاسکال Blais Pascal نے ۱۶۵۴ء میں حساب احتمالات ایجاد کیا جس سے بہت سے علوم وفنون میں خصوصیت سے فزکس کے مسائل میں بڑا فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

اس حساب احتمالات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ کوئی منظم اور مرتب چیز خود بخود وجود میں نہیں آئی ہے، بلکہ اسے کسی صاحب عقل وشعور طاقت نے اپنے ارادے اور اختیار سے پیدا کیا ہے۔

حساب احتمالات کی وضاحت اور تفصیل یہ ہے۔

فرض کیجئے ایک بلند پایہ علمی کتاب ہمارے سامنے ہے۔ جس کی ضخامت سو صفحے کی ہے۔ہم نے اس کی جلد کو پھاڑ کر اس کے مرتب اوراق کو تتر بتر کر دیا۔پھر انھیں اسی غیر مرتب صورت میں کسی اندھے، ان پڑھ شخص کے ہاتھ میں دے دیا کہ انہیں ترتیب وار کتابی شکل میں قرار دے دے۔چونکہ وہ جاہل یا اندھا ہے اس لئے وہ ان اوراق میں ایک ورق اٹھائے گا۔ظاہر ہے کہ اس کا ورق اول ہونا سو احتمالوں میں سے ایک احتمال ہے۔وہ جاہل یا اندھا یہ ورق جس نمبر کا بھی ہو اسے اٹھا کر الگ رکھ دیتا ہے۔اس کے بعد دوبارہ ایک ورق اس امید سے اٹھاتا ہے کہ وہ کتاب کا دوسرا ورق ہو اس کے دوسرے ورق ہونے کا احتمال ۹۹ احتمالوں میں سے ایک احتمال ہے۔اس بنا پر ایک اور دو کے نمبر ترتیب کے ساتھ یہ جاہل یا اندھا قرار دینے میں کامیاب ہوجائے دس ہزار احتمالوں میں سے ایک احتمال ہے یعنی ایک بٹا دس ہزار ۱۰۰۰۰/۱، ان دس ہزار احتمالوں میں سے ایک مطابق واقع ہے۔یہ وہ صورت ہے کہ اس جاہل یا اندھے نے پہلی مرتبہ ورق اول، دوسری مرتبہ ورق دوم اٹھایا ہو۔اسی طرح اگر پھر وہ کوئی ورق ورق سوم اٹھانے کی غرض سے اٹھائے تو اس کی کامیابی کا احتمال ۹۸ احتمالوں میں سے ایک ہے، یعنی پہلے، دوسرے اور تیسرے ورق کا مرتب طور پر نکل آنا دس لاکھ احتمالوں میں سے ایک احتمال ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اس بات کا احتمال کہ بیچارا جاہل اور نابینا شخص اتفاقی طور پر اس سو صفحے کی غیر مرتب کتاب کو دوبارہ ترتیب دے دے غیر محدود احتمالوں میں سے ایک کمزور احتمال ہے۔

اگر کوئی شخص کسی مرتب اور منظم چیز کے متعلق یہ دعویٰ کرے کہ اس کا نظم وضبط اتفاقی طور پر ہے تو اس احتمال کو مذکورہ بالا حساب احتمالات کے ذریعہ انتہائی کمزور کیا جا سکتا ہے۔

یہ خوش نظمی بدنظمی کا نتیجہ نہ ہو!

مادہ پرستوں کا طبقہ کہتا ہے:۔

''سب سے مضبوط اور بنیادی دلیل وجود خدا کو ثابت کرنے کے لئے یہی پیش کی جاتی ہے کہ ہمیں پوری کائنات میں اغراض ومقاصد کے لحاظ سے ہر چیز میں خاص توازن اور نظم و ضبط دکھائی دیتا ہے۔ایسا اتفاقی طور پر نہیں ہوسکتا۔یہ دلیل اس دعوے کو اس صورت میں ثابت کرتی ہے جب کہ ہر چیز شروع

سے ہی ایسی متوازن اور منظم وجود میں آئی ہو۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ پیدائش عالم کی ابتدا میں ہزاروں ناموزوں، غیر منظم، ناقص، معیوب موجودات ہوں، کروڑوں برس کی مدت میں رفتہ رفتہ عیوب اور نقائص دور ہوئے اور بے شمار تغیرات کے بعد تدریجاً وہ اس ارتقاء وکمال کی منزل تک پہنچے۔''

اس بنا پر موجودہ ارتقاء، توازن، تناسب اور نظم و ضبط تدریجی ترقیوں کی ایک لمبی زنجیر کی آخری کڑی ہے۔ ایسی صورت میں یہ ممکن ہے کہ وہ عقل وشعور کے بجائے اتفاق کی پیداوار ہو۔

زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہا جائے کہ خدا پرستوں کا کہنا ہے کہ یہ عالم خود بخود اتفاقاً موجود نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس میں ہمیں نظم و ضبط دکھائی دیتا ہے، لیکن ہم مادہ پرست اس کے مقابلہ میں کہتے ہیں کہ کون کہتا ہے کہ ابتداء خود بخود ہزاروں غیر منظم، بے فائدہ موجودات، ہزاروں معیوب ناقص جانور اور درخت پیدا ہوئے ہوں۔ چونکہ وہ مکمل طور سے باقی رہنے کے شرائط کے مالک نہیں تھے لہٰذا رفتہ رفتہ وہ فنا ہوگئے۔ ان کے صرف وہ موزوں اور منظم حصے باقی رہ گئے۔ انہوں نے آہستہ آہستہ یہ صورتیں خود بخود حاصل کرلیں جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں''۔

اٹھارہویں صدی کے فلاسفہ میں سے ڈینس ڈائیڈیر (Denis Dideror) کا غالباً یہی نظریہ تھا۔ وہ کہتے ہیں:

''ہم اس دور میں موجودات کو دیکھتے اور انہیں کامل پاتے ہیں۔ ہمیں اس کی خبر نہیں کہ نیچر کے آغوش میں کتنے ناقص موجودات نے آنکھیں کھولیں۔ رفتہ رفتہ وجود زندگی کے اس درجہ تک پہنچا ہے۔''

بہر حال مادہ پرستوں کی ایک جماعت بڑے شد و مد سے یہ اعتراض کرتی ہے۔ درحقیقت یہ اعتراض ڈارون کے ''انتخاب طبیعی'' کے نظریے میں وسعت پیدا کرتا ہے۔ انہوں نے اس خیال کا اظہار صرف جانداروں کے متعلق کیا تھا، لیکن مادیین نے اس خیال کی چار دیواری میں تمام موجودات کو داخل کرلیا ہے۔ بعید نہیں ہے کہ ڈارون کے نظریے کی بنیاد اسی ہمہ گیر اصول کے اوپر ہو۔ مذکورۂ بالا نقطۂ نظر گوناگوں وجوہ سے صحیح نہیں ہے۔

یہی حساب احتمالات اس کے منافی ہے

آپ کی نظر میں ہے کہ ہم نے عرض کیا کہ اس عالم میں جب کوئی چیز ہماری آنکھوں کے سامنے پیدا ہو تو اس کے مختلف طریقوں سے وجود میں آنے کے احتمالات کا ہمیں حساب لگانا چاہیے۔ اس کے بعد یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اس کے صحیح وسالم اور منظم وجود میں آنے کے احتمالات کی نسبت دوسرے احتمالات سے کیا ہے؟ مثلاً جس وقت ہم آنکھیں بند کرکے قلم کو صفحۂ کاغذ پر رکھ کر حرکت دیں تو چند احتمال ہیں۔ محتمل ہے کہ اس جنبش کے نتیجہ میں ایک خط مستقیم بصورت الف صفحۂ کاغذ پر ابھرے۔ ممکن ہے کہ خط منحنی کھینچا جائے۔ اس کی بھی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں۔ خلاصہ ایک حرف کی پیدائش کے بارے میں بہت سے احتمالات ہیں جن میں سے ایک صحیح اور بقیہ غلط ہیں۔ جب ایک حرف کے صحیح طور سے ابھرنے کے لئے بہت سے احتمال ہیں تو ایک مکمل جملے، ایک منظم قصیدے، ایک علمی اور تاریخی مقالے کے اتفاقی طور سے قلم کی غیر شعوری حرکت کے نتیجہ میں موجود ہونے کے لیے احتمالات کی تعداد کروڑوں تک پہنچ جائے گی۔

اس بناء پر ہمارا دعویٰ ہے کہ موجودہ نظم کائنات جس طرح بھی پیدا ہوا ہو دفعتاً یا تدریجاً اس دلیل احتمالات کی روشنی میں خود بخود نہیں ہوسکتا۔ یعنی یہ احتمال اتنا کمزور ہے جو صفر کے برابر ہے۔ بالفرض اگر ہم میں سے کوئی شخص کولمبس (Colombus) کے ساتھ پہلے امریکہ گیا ہوتا، وہاں کے باشندوں میں سے کوئی اتفاق سے اسے دکھائی نہ دیتا، صرف ایک عظیم الشان شہر کے آثار آنکھوں کے سامنے آتے جہاں رہنے والا کوئی نظر نہ آتا، فقط منظم وسیع سڑکیں، گوناگوں خوبصورت عمارتیں، سبز وشاداب پارک، شہر کے مختلف حصوں میں بلندیوں پر حسین مجسمے سلیقہ سے

نصب دکھائی دیتے تو اگر تمام دنیا کے لوگ مل کر اسے یقین دلاتے کہ یہ سب مناظر طبیعی اسباب کا اتفاقی نتیجہ ہیں، کروڑوں سال کی طویل مدت میں دھیمی اور تیز ہواؤں، ہلکی اور موسلا دھار بارشوں، سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی نے مختلف ناقص اور غیر ناقص نقوش وجود ابھارے۔ ان میں سے صرف یہ آثار اپنے کو باقی رکھ سکے ہیں۔ ان کے علاوہ بقیہ خود بخود نیست و نابود ہوگئے۔ ان موجودات کو کوئی باشعور طاقت منصۂ شہود پر نہیں لائی ہے تو کیا وہ شخص ان یقین دہانیوں سے رتی بھر متأثر ہوتا؟ کیا اس کے برعکس ہر صاحب عقل اس قسم کی چیزوں کو دیکھ کر یقینی طور سے یہ فیصلہ نہ کر دیتا کہ انہیں کوئی باشعور طاقت اپنے ارادے سے وجود میں لائی ہے؟

یونہی اگر بوعلی سینا کا 'قانون' ملا صدرا کی 'اسفار' غفر آنمابؒ کی 'عماد الاسلام' یا کوئی کتاب ہمارے ہاتھ میں دے دی جائے تو کیا ہمیں اس کے متعلق یہ شبہ ہوگا کہ یہ کتاب بے سواد، ان پڑھ لوگوں کے قلم کی لاکھوں جنبشوں کے نتیجہ میں اتفاق سے مرتب ہوگئی ہے۔ یہ بے شمار نسخوں میں سے ایک نسخہ ہے۔ ناقص کتابیں تدریجاً فنا ہوگئیں اور یہ کامل نسخہ باقی رہ گیا ہے؟

شرائط بقاء اور شرائط ارتقاء

اگر مادہ پرستوں کا یہ خیال صحیح ہو کہ شروع میں کروڑوں غیر منظم، ناقص موجودات تھے، رفتہ رفتہ وہ باقی رہنے کی صلاحیت سے محروم ہونے کی بناء پر فنا ہوگئے۔ صرف ایسے موجودات باقی رہے جو استعداد بقاء رکھتے تھے تو یہ ماننا پڑے گا کہ تدریجی ارتقاء صرف ایسے نظم و توازن کو پیدا کر سکتا ہے جو بقاء موجودات کی شرط ہو، لیکن وہ ان کے لئے ایسے دوسرے کمالات کا ذمہ دار نہیں بن سکتا جو ان کی زندگی میں دخل انداز اور موثر نہیں ہیں۔

اس مختصر سی بات کی تفصیل یہ ہے کہ اس وقت موجودات عالم میں ہمیں دو طرح کا نظام اور تناسب دکھائی دے رہا ہے۔ ایک وہ نظام جو ان کی بقاء کی شرط ہے۔ یہ نظم اگر قائم نہ رہے تو موجودات نیست و نابود ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ دوسرا نظام و توازن وہ ہے جو ان موجودات کی زندگی اور بقاء میں دخیل نہیں ہے۔ اس کے سایہ میں وہ صرف ترقی کے منازل طے کرتے، پھلتے پھولتے اور پروان چڑھتے ہیں۔ اس نظم کے نہ ہونے کی وجہ سے موجودات فنا نہیں ہو جائیں گے۔ اس کا نہ ہونا صرف ان کی راحت میں خلل انداز ہوگا۔ انہیں زحمتوں اور دشواریوں سے دو چار کردے گا۔ ظاہر ہے کہ ارتقاء تدریجی کو صرف نظم و توازن کی پہلی قسم کا سبب قرار دیا جا سکتا ہے، کیونکہ اس نظریے کے مطابق ناقص موجودات صلاحیت بقاء سے ہونے کی بناء پر فنا ہوگئے اور بقیہ استعداد بقاء کے مالک ہونے کی وجہ سے باقی رہ گئے ہیں، لیکن مادہ پرست طبقہ کے خیال کی روشنی میں نظم موجودات کی دوسری قسم کا کیا سبب قرار دیا جائے گا۔ جس کا کہ ان کی بقاء اور زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے؟

اس مطلب کی وضاحت کی خاطر ہزاروں مثالوں میں سے فقط چند مثالیں بطور نمونہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

الف۔ انسان کے جسم میں بیسوں ایسی خصوصیتیں دکھائی دے رہی ہیں۔ جن کے نہ ہونے سے اس کی زندگی ہرگز خطرہ میں نہیں پڑے گی۔ مثلاً اگر بالوں کی جڑ کے ارد گرد چربی کے غدود نرم کرنے کی غرض سے نہ ہوں، اگر آواز کی لہروں کو اکٹھا کرنے کے لئے کانوں کی لویں اور ان کے زاویے نہ ہوں، اگر آنکھوں کو گرد و غبار سے بچانے کی خاطر پلکوں کی چلمنیں نہ ہوں، اگر امواج نور کے جمع کرنے کے واسطے آنکھوں کی پتلیوں میں اندھیرا نہ ہو، اگر دانتوں کی تین قسمیں نہ قرار دی جائیں، سامنے کے دانت کاٹنے کی غرض سے، وسطی دانت پھاڑنے کی غرض سے، ڈاڑھیں چبانے اور پیسنے کی غرض سے، اگر ہمارے ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں یہ لکیریں نہ ہوتیں جو چیزوں کو پھسل کر نکل جانے سے روکتی ہیں، اگر ہاتھوں اور پیروں میں ہڈیوں کے یہ موجودہ جوڑ نہ ہوتے جو انتہائی سہولت کا باعث ہیں

توہرگز انسان نہ مرجاتا۔ صرف زحمت میں گرفتار ہوجاتا، اس کی زندگی میں تلخی پیدا ہوجاتی، وہ راحت وآرام کے ساتھ زندہ نہ رہ سکتا۔ آیا تدریجی ارتقاء کا اصول انسانی جسم کے اس طرح کے نظم و توازن کی وجہ بتا سکتا ہے؟

ب۔ اگر ہماری زمین کے سینہ میں طرح طرح کے معدن نہ ہوتے، اگر بجلی کی طاقت نہ ہوتی، اگر موجودات عالم کے دل میں ایٹمی توانائی نہ موجود ہوتی۔ اگر تمام خشکیاں زمین کے نصف کرۂ جنوبی میں ہوتیں اور تمام سمندر اس کے دوسرے نصف کرۂ شمالی میں واقع ہوتے، اگر زمین میں غیر معمولی نشیب وفراز ہوتا، اگر تمام دریا اور سمندر ایسے کھاری پانی سے بھرے ہوتے جن کا پینا کسی جاندار کے لیے آسان نہ ہوتا۔

ج۔ اگر پرندوں کا جسم پروں سے ڈھکا ہوا نہ ہوتا، اگر ان کی موجودہ ساخت نہ ہوتی، اگر ان کا وزن دوسرے زمین کے جانوروں سے کم نہ ہوتا، اگر وہ سب بڑے بڑے چمگادڑوں کی طرح وزنی ہوتے، اگر وہ انڈوں کے بجائے بچے دیتے اور ایسے ہی دوسرے صفات سے متصف ہوتے تو کیا وہ فنا ہوجاتے فقط آرام سے زندگی نہ بسر کر سکتے، اپنی زندگی سے پورا پورا فائدہ نہ اٹھا سکتے۔

خلاصہ یہ کہ عالم ہستی کا دائرۂ نظم وتناسب ارتقاء تدریجی کے محور بحث سے بہت زیادہ وسیع ہے، کیونکہ اس بحث کا محور "انتخاب طبیعی"، "بقاء اصلح" اور ماحول کے غیر مطابق، ناقص موجودات کی فنا کے مسائل کے گرد چکر لگاتا ہے۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ رخ نظم کے صرف ایک حصہ، یعنی کم از کم شرائط حیات اور بقاء کے دائرے میں اپنا مصداق پیدا کر سکتا ہے، لیکن اس کی تطبیق ان کمالات، ان دقیق وعمیق باریکیوں پر نہیں ہوسکتی جن کا موجودات کی اصل زندگی میں رتی بھر دخل نہیں ہے۔

مذکورۂ بالا مطلب ایک دوسری معمولی مثال سے زیادہ واضح ہوجاتا ہے۔

فرض کیجئے کہ کسی پہاڑ میں متعدد غاروں کے نشانات ہمیں نظر آئے۔ ان میں سے صرف ایک بہت بڑا غار باقی رہ گیا اور بقیہ فنا ہوگئے۔ انہیں دیکھ کر آپ یہی کہیں گے کہ وہ نیچرل اسباب وعلل کی وجہ سے رفتہ رفتہ مٹ گئے۔ یہ ایک بڑا غار انتخاب طبیعی اور بقاء اصلح کے اصول کے ماتحت باقی رہ گیا، کیونکہ اس کے پتھر زیادہ مضبوط اور مستحکم تھے۔

لیکن اگر اس غار کی دیواروں پر ابھرے ہوئے خوبصورت تاریخی نقش ونگار دکھائی دیں تو انہیں ہرگز کوئی صاحب عقل انتخاب طبیعی اور بقاء اصلح کے اصول کا نتیجہ نہیں قرار دے گا، کیونکہ جو چیز ان اصول کا نتیجہ ہوسکتی ہے وہ فقط اس غار کی بقاء اور اس کا استحکام ہے۔ یہ مزید خصوصیات جن کے ہونے اور نہ ہونے کی نسبت اس غار کی بقاء کے لحاظ سے یکساں ہے انتخاب طبیعی اور بقاء اصلح کا اصول ان کا سبب نہیں ہے، کیونکہ جس چیز کا تعلق اس اصول سے ہے وہ فقط اس غار کا پائیدار اور مضبوط ہونا ہے۔ اس سے ان مزید خصوصیات کا کوئی ارتباط نہیں ہے جن کے وجود اور عدم دونوں کی حیثیت اس کے باقی رہنے کے لحاظ سے یکساں ہے۔ اس بناء پر موجودات عالم کی اس نزاکت ولطافت کے بارے میں جس باریک بینی سے کام لیا گیا ہے وہ غیر مبہم طور پر بتا رہی ہے کہ زندگی کے ابتدائی شرائط سے بہت بلند سطح پر نقطۂ کمال قرار دیا گیا ہے۔ ان موجودات کو دیکھ کر بآسانی یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کے وجود کا ایک مقصد ہے۔ انہیں گویا کسی سابقہ منصوبہ اور پروگرام کے پیش نظر وجود میں لایا گیا ہے۔

تدریجی ارتقاء کا فاعل دکھلایئے

گذشتہ دو اعتراضوں سے قطع نظر کرنے کے بعد بھی مادہ پرستوں کے مذکورہ ارشاد میں یہ کمزوری نظر آتی ہے کہ اگر وہ صحیح ہے تو اس زمین کی جو کھدائیاں برابر ہوا کرتی ہیں ان کے اندر سے ان ناقص اور ان ناموزوں موجودات کے ڈھانچے نکلنا چاہئیں جو ان کے نقطۂ نظر کی پرزور تائید کریں...... بقیہ صفحہ ۷ پر

ہوئے اور راہِ حق میں نثار ہو گئے، سب سے آخر میں آپ کے جاں باز بھائی عباسؑ بن علیؑ آپ سے رخصت ہوئے۔ یہ حسینی جماعت کے علمدار تھے جن کے قتل ہونے سے حسینؑ کی کمر ٹوٹ گئی، مگر ہمت شکستہ نہیں ہوئی۔ اس کے بعد آپ کے پاس کوئی سرمایۂ حق کی بارگاہ میں نذر دینے کے لئے نہ تھا، مگر سب کے آخر میں آپ نے ایک ایسا معصوم ہدیہ پیش کر دیا جس پر کسی شریعت اور قانون کی رو سے مجرم ہونے کا الزام نہ آسکتا تھا۔

وہ شیر خوار بچہ جو اپنی ماں کی گود میں پیاس سے سسکیاں لے رہا تھا حسینؑ نے اس کی حالت دیکھی اور دشمن کی فوج کے سامنے اپنے ہاتھوں پر لائے، یہ تھا حسینؑ کا سب سے آخری فدیہ، انسانیت کے ہاتھ پیروں میں لرزہ پڑ گیا اور رحم و کرم کی دنیا میں اندھیرا چھا گیا، جب اس دشمن فوج کے ایک سپاہی نے تیر چلہ کمان میں جوڑا اور بچہ کی گردن کو نشانہ بنالیا۔ حسینؑ کا یہ آخری تحفہ بھی قبول ہو گیا۔

اب کیا تھا! بذات خود حسینؑ کو حق کی حمایت میں جہاد کا فرض انجام دینا تھا، اور اپنی جان کی قربانی پیش کرنا تھی، چنانچہ آپ نے اس شکستگی اور بے کسی کے عالم میں تلوار نیام سے نکالی، اور جتنی بحیثیت انسان آپ کو اللہ نے طاقت دی تھی، اس حد تک انتہائی شدید مقابلہ کیا۔ وہ مقابلہ جو ایسے حالات میں عام انسانوں کی طاقت سے یقینا بالاتر تھا، مگر کہاں ایک انسانی جسم اور کہاں فولادی تلواروں کا سیلاب جسم زخموں سے چور ہو گیا۔ آپ گھوڑے سے زمین پر گرے اور وہ مرحلہ جو آپ کے لئے پہلے ہی آسان تھا، اب زیادہ آسان ہو گیا آپ کا سر قلم کر کے نیزہ پر بلند کیا گیا شہیدوں کی لاشیں گھوڑوں سے پامال کی گئیں، مال و اسباب لوٹا گیا۔ خاندان رسالت کی مقدس خواتین کے سروں سے چادریں اتاری گئیں، خیموں میں آگ لگائی گئی، مردوں میں ایک بیمار و ناتواں علی بن الحسینؑ باقی رہے تھے جنھیں طوق و زنجیر پہنایا گیا عرب کے شریف ترین خاندان کی غیر تمند بیبیاں اسیر کر کے شہر بہ شہر پھرائی گئیں۔

یہ ہے دنیائے تاریخ کا وہ بڑا حادثہ جو ''واقعۂ کربلا'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۳۰ کا)

جو ہمیں صاف لفظوں میں یہ بتائیں کہ جو مرتب، موزوں اور منظم چیزیں تمہاری آنکھوں کے سامنے ہیں انہیں ہزاروں ناموزوں اور غیر منظم موجودات کے درمیان سے چنا گیا ہے۔ لاکھوں برس کی تبدیلیوں کے بعد انہوں نے یہ دیدہ زیب، خوشنما، تمام ضروریات زندگی کے مطابق شکل وصورت پائی ہے، لیکن اسے کس کی خوش قسمتی سمجھا جائے کہ آثار قدیمہ کا زندہ اور جیتا جاگتا علم اس کے خلاف فیصلہ کر رہا ہے۔ ہم جتنا جتنا الٹے پیروں پیچھے ہٹتے چلے جاتے اور گزشتہ موجودات کے باقی ماندہ گھسے ہوئے ڈھانچوں کا معائنہ کرۂ زمین کے مختلف طبقات کے سینے میں کرتے ہیں اتنا ہمارا یہ عقیدہ مستحکم اور پختہ ہوتا جاتا ہے کہ سب کے سب اپنی جگہ انتہائی مرتب اور منظم ہیں۔ ان میں کوئی کمی نہیں ہے۔ اگرچہ وہ ہو بہو اس زمانے کے موجودات کے مانند نہیں ہیں، لیکن ان سے ملتے جلتے ضرور ہیں۔ زندگی کے باقی رہنے کے لئے اس دور کے موجودات کے پاس جو کچھ ہے وہی سب ان کے پاس بھی ہے۔

کیوں جناب اگر ایک اندھے، آرٹ سے ناواقف شخص کے ہاتھ میں پینسل یا قلم دے دیا اور اس سے فرمائش کی جائے کہ اس کاغذ پر طوطے کی تصویر بنادو تو شاید سیکڑوں یا ہزاروں کاغذ خراب کرنے کے بعد بھی وہ آپ کی فرمائش کو پورا نہ کر سکے گا۔ یہ ہزاروں کاغذ کوڑے کی ٹوکری میں جھونک دینے یا دیا سلائی دکھا دینے کے قابل ہوں گے؟ اگر یہ موجودات عالم انسان اور دوسرے جاندار گونگے، بہرے، اندھے، بے حس، بے عقل نیچرل اسباب کی غیر اختیاری کارفرمائی کا نتیجہ ہیں تو ان کے وجود میں آنے کی خاطر جو کروڑہا صاف ستھرے کاغذوں، کاواک، بے تکی، ناموزوں، غیر منظم لکیروں کو بنا کر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا گیا وہ کہاں ہیں؟ زمین کی کس تہہ میں دبے ہوئے ہیں؟ ہمارے معزز مادہ پرست کیوں چپ ہیں؟ کس لئے وہ ہمارے سوال کا جواب نہیں دیتے؟

(جاری)